© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

پاکستان میں عیسائیت کا سیلاب جس تشویشناک سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے اُس کا ایک ہلکا سا اندازہ اُس مضمون سے لگایا جا سکتا ہے جو ترجمان القرآن کی دو گزشتہ اشاعتوں میں "پاکستان میں عیسائیت کی رفتارِ ترقی" کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے۔ اس قابل قدر مقالہ کے فاضل مرتب نے اپنے دعوے کی تائید اُن اعداد و شمار سے کی ہے جو انہیں مسیحیت کے پرچاریوں نے ہی فراہم کیے ہیں۔ اس بنا پر اس مضمون کے مندرجات کو محض "سنسنی خیز" کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسا ملک جسے اسلام اور صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ جس کی بنیادوں میں لاتعداد معصوم بچوں بچیوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں دفن ہوں۔ جس کی تعمیر میں اَن گنت بے گناہوں کا خون بطور گارے کے استعمال ہوا ہو اور جس کے حصول کے لیے مسلم قوم کی بے شمار عفتیں اور عصمتیں لٹی ہوں اور دو چار دس بیس نہیں بلکہ پورے چار کروڑ بھائی بندوں کو وحشت اور درندگی کے رحم و کرم پر چھوڑنا پڑا ہو، اسلام کے عین اس حصار کے اندر اگر کچھ دشمن شبخون مارنے میں کامیاب ہو جائیں تو اس سے زیادہ چونکا دینے والی خبر اور کون سی ہو سکتی ہے۔ یہ افسوسناک صورتِ حال گہرے غور و فکر کی محتاج ہے اور اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے اس خطرہ کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آخر وہ مسیحی مبلغین جنہیں دو سو سال تک انگریزی امپریلزم کی تائید و حمایت حاصل رہی وہ اس وقت تو ناکام رہے اور اب جبکہ امپیریلزم یہاں سے رخصت ہو چکا ہے تو اپنے ناپاک ارادوں میں وہ کامیاب ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ان اسباب و وجوہ پر بھی غور کرنا چاہیے جن کی بنا پر مسلمان مسیحیت کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ یہ معاملہ کوئی ایسا نہیں جسے محض حادثہ سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا۔ حالات کے اندر اس افسوسناک تبدیلی کے کچھ وجوہ ہیں۔ وہ قوم جس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریز کی جباری اور قہاری کا پورے دو سو برس تک ڈٹ کر مقابلہ کیا اور صرف چند طالع آزما افراد کو چھوڑ کر اس کے ہر رکن نے غیر ملکی اقتدار کے سامنے بڑی پامردی دکھائی، اُس کی صفوں میں اب آزاد ہونے کے بعد کیوں انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ یہ وقت تو وہ ہے کہ پاکستان سے اسلام کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر اُن ممالک کو منوّر کریں جہاں باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھاتے ہوتے ہیں مگر عملی طور سے ہو یہ رہا ہے کہ اس خطۂ پاک ہی میں کفر کے سایے بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتے جا رہے ہیں۔ اس غیر متوقع صورتِ حال کا تجزیہ اشد ضروری ہے۔

ہمارے نزدیک انگریزی عہدِ اقتدار میں مسیحیت کی ناکامی کے دو بڑے سبب ہیں۔ انگریز نے عیسائیت کا مؤید اور حامی ہونے کے باوجود بعض سیاسی مصالح کے تحت عیسائی مشنریوں کو کام کرنے کی اتنی مکمل چھوٹ نہ دے رکھی تھی جتنی آزاد ہونے کے بعد مسلمان فرمانرواؤں نے انہیں دے دی ہے۔ خصوصاً غدر کے بعد غیر ملکی سامراج مذہب کے معاملے میں غیر معمولی حد تک محتاط ہو چکا تھا۔ اُسے اس امر کا پوری طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ مذہب کے متعلق اہلِ ہند اور خاص طور پر مسلمانوں کے احساسات بڑے نازک ہیں اس لیے وہ ہر ایسا قدم اٹھانے سے گھبراتا جس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے مجروح ہونے کا خطرہ ہو۔ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ عیسائی مبلغین اس ملک میں جو حرکات بھی کریں گے اُس کا ذمہ دار انگریز کو ہی ٹھہرایا جائے گا۔ وہ ان کی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کا خواہاں تو تھا اور اس راہ میں ہر قسم کی اعانت بھی کرتا مگر اس بات کا خاص خیال رکھتا کہ کہیں یہ سرگرمیاں لوگوں کو مشتعل کر کے اُس کے اقتدار کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ لہٰذا محض حفاظتی تدبیر کے طور پر وہ ان سرگرمیوں کو ایک خاص دائرے سے باہر نہ نکلنے دیتا تھا۔

آزاد ہونے کے بعد اب جبکہ اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا ہے تو وہ محض اس ڈر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اُن پر تعصب اور تنگ نظری کا الزام نہ لگ جائے ان مشنریوں کو ایسی مراعات دی گئی ہیں جو انہیں خود اپنے دورِ اقتدار میں بھی حاصل نہ تھیں۔ یہ ایک نفسیاتی عارضہ ہے جس سے ہم جتنی جلدی خلاصی پالیں اتنا ہی ہمارے حق میں مفید ہوگا۔ صرف "روشن خیال" اور "رواداز" کہلانے کے لالچ میں اگر ہم دوسروں کو اپنے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت دے دیں تو اس سے زیادہ اور کونسی حماقت ہوگی۔ "رواداری" بے شک بڑی پسندیدہ صفت ہے لیکن یہ اُسی صورت میں قابلِ ستائش ہے جب اس سے قومی زیاں نہ ہوتا ہو مگر جب اس رواداری سے فائدہ اٹھا کر غیر ملکی سامراج ہماری جڑوں کو ہی اکھاڑنے کے درپے ہو جاتے اُس وقت اس بیجا رواداری کا مظاہرہ کرنا شرافت نہیں بلکہ سراسر بے غیرتی ہے۔

ممکن ہے ہماری ان گزارشات کے متعلق کوئی صاحب یہ کہیں کہ یہ مسیحی مبلغین دوسرے غیر مسلم ممالک میں بھی تو کام کر رہے ہیں۔ اگر وہاں انہیں کوئی زیادہ خطرہ نہیں سمجھا جاتا تو مسلمانوں کے لیے یہ کیوں خطرناک ہیں۔ اس ضمن میں یہ ذہن نشین رہے کہ دنیا کی تمام آزاد قومیں ان مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں جس طرح ان مبلغین کی حرکات و سکنات پر کڑی نگرانی کی جا رہی ہے اُس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ ان کی "معصوم سرگرمیوں" کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ مسیحی مشنریوں کی کارگزاریاں ہر جگہ وجہِ اضطراب ہیں کیونکہ گزشتہ تین سو برس کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امپیریلزم اور مسیحی مشن کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یورپین امپیریلزم نے مختلف طریقوں سے مشرقی ممالک میں نفوذ کیا ہے۔ کہیں تو اُس نے فوج کشی کر کے لوگوں کو زیر کیا اور پھر ان مشنریوں کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ تعلیم کے ذریعے ان گرفتاروں کے دل و دماغ میں اس طرح کی تبدیلیاں پیدا کریں کہ وہ خود غلامی پر راضی ہو جائیں اور اُن کے اندر کبھی بھی آزادی کا احساس اُبھرنے نہ پاتے اور جب امپیریلزم کو حالات کے تحت اپنی فوجیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان ممالک سے ہٹانی پڑیں تو پھر یہ مشنری اور ان کے یہ بہی خواہ ان خطوں میں غیر ملکی مفادات کی حفاظت اور پاسبانی کر سکیں۔ چنانچہ ان مشنریوں نے اپنی چالاکی اور عیاری سے یورپین امپیریلزم کے لیے بعض ایسی خدمات سرانجام دی ہیں جو لشکر و سپاہ کے لیے قریب قریب ناممکن تھیں۔ کئی مقامات پر یہ مشنری ہراول دستے کے طور پر پہنچے اور سامراج کے لیے زمین ہموار کی اس بنا پر ان لوگوں کی سرگرمیوں کو "خدمتِ خلق" سے تعبیر کرنا افسوسناک جہالت ہے۔ ان مسیحی مبلغین کے "معصومانہ کارناموں" کی صحیح نوعیت معلوم کرنے کے لیے آپ ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی اور ڈاکٹر عمر فروخ کی مشہور تصنیف "التبشیر والاستعمار فی البلاد العربیۃ" کا مطالعہ کریں اس سے آپ کو اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ تعلیم اور شفاخانوں کی آڑ میں کس مذہب کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ اس فاضلانہ تصنیف کے پہلے باب میں انہوں نے ناقابلِ تردید دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان مبلغین کی سعی و جہد کا مقصد مسیحیت کی اشاعت نہیں بلکہ استعماریت کی توسیع و ترقی ہے۔ چنانچہ ان مشنریوں میں بعض ایسے من چلے تبلیغ مذہب کے لیے دوسرے ممالک میں نکل پڑتے ہیں جو خود سرے سے کسی مذہب پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ یورپ کے بعض ممالک فرانس، المانیہ وغیرہ کے عیسائی مشنری خواہ اپنے حکام سے کتنے ہی نالاں ہوں مگر نو آبادیات کے معاملے میں اپنے ملک کی پالیسی سے سو فیصد متفق رہتے ہیں۔ یہ ممالک بھی اختلاف کے باوجود ان مبلغین کی پوری پوری سرپرستی فرماتے ہیں۔ فسطائی نظام کے حامی اٹلی نے اپنے ملک میں ایک مثالی گرجا تعمیر کرایا جو استعماری سیاست کی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ روس نے جو دین اور مذہب کا سخت دشمن ہے اس نے بھی اپنے استعماری پنجوں کو مشرقی ممالک میں گاڑنے کے لیے انہیں مسیحی مبلغین کی خدمات حاصل کیں۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کے لیے ماسکو میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرائی گئی جس میں اسٹالن نے بہ نفسِ نفیس شرکت کی اور مسیحی مشنریوں کو آشیرباد دیتے ہوئے انہیں دوسرے ممالک میں تبلیغِ مذہب کی اہمیت کا احساس دلایا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے ان مشنریوں کو خدا ترس لوگوں کا ایک مقدس گروہ سمجھ کر ان کی حرکات و سکنات سے صرف نظر کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان لوگوں کی سرگرمیاں خصوصاً مسلم قوم کے لیے بعض دوسرے اسباب کی بنا پر بھی وجہ اضطراب ہیں۔ وہ قومیں جن کی قومیت کی بنیاد مذہب نہیں بلکہ رنگ، نسل یا وطن ہے اُن کے لیے بعض لوگوں کا ایک مذہب کو ترک کرکے دوسرے کو اختیار کرنا کچھ زیادہ تشویشناک نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی سے اُن کی قومیت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا مگر مسلم قوم کی اپنے مذہب کے ساتھ تعلق کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے۔ مذہب اس قوم کے افراد کے لیے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ایک شعبہ نہیں، جس کا مقصد صرف مذہبی احساسات و جذبات کی تسکین ہو، یا جس کے ذریعہ لوگ ایک غیر محسوس اور غیر مرئی ذات کے ساتھ ایک طرح کا تعلق خاطر قائم کرسکیں۔ امتِ مسلمہ کے لیے مذہب ہی اس کا مبدأ حیات اور زندگی کی اساس ہے۔ اسی سے اُس کی قومیت تشکیل پاتی ہے، اور اسی کی محبت اُس کے اندر زندہ رہنے کی تڑپ اور آگے بڑھنے کا ولولہ پیدا کرتی ہے۔ یہی حصار اُسے دوسری قوموں کے حملوں سے محفوظ رکھتا ہے چنانچہ اس امت کے اندر مذہب کی تبدیلی بہت دُور رس نتائج کی حامل ہے۔ یہاں جو شخص ایک مذہب کو ترک کرکے دوسرے کو اختیار کرتا ہے۔ وہ صرف چند عقائد اور عبادات کا تارک ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنی قومیت سے بغاوت کرتا ہے اور یہاں جن لوگوں کو ایسے کام کرنے کی رعایت دی جاتی ہے یوں سمجھیے کہ انہیں ملک اور قوم کو منہدم کرنے کا لائسنس ملتا ہے۔ اس بنا پر جس طرح انگریز ہر اس فرد اور گروہ کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اسے انگلستان کا باغی بناتے اور اس کی کسی حرکت کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ بالکل اسی طرح ایک مسلمان بھی اس بات کو کبھی گوارا نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص یا ادارہ امتِ مسلمہ کے کسی فرد کو بہکا کر اسلام سے برگشتہ کرے۔ ایک محب الوطن جرمن کو جتنا اپنا ملک جرمنی عزیز ہے۔ اس سے کہیں زیادہ عزیز ایک مسلمان کے لیے اسلام ہے، یہ دین اُس کے لیے نہ صرف اس دنیا میں فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے بلکہ اُس کی اخروی نجات بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اور وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے کسی معاملے میں اسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اس لیے اس پر کسی قسم کی آنچ ایک سچے اور مخلص مسلمان کے لیے قیامت سے

© rasailojaraid.com

کم نہیں۔

پھر پاکستان میں تو قومیت کی تشکیل میں سارا عمل دخل صرف اسلام کا ہے۔ دین کی بنیاد پر ہی اس ملک کو حاصل کیا گیا۔ اس کے مطالبہ کی اگر کوئی جائز اور معقول وجہ ہو سکتی تھی تو صرف یہی تھی کہ ہم اپنی مذہبی زندگی اور دنیاوی زندگی کے درمیان کوئی خطِ امتیاز نہیں کھینچ سکتے۔ دین ہماری زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے۔ اس بنا پر ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم مسلمان رہتے ہوئے اپنی زندگی کے کسی حصے میں دین کو نظر انداز کر دیں۔ دین ہی ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان نشانِ امتیاز ہے۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آجانے کے بعد اس کے مائل بہ انتشار اجزا کو اگر کوئی چیز آپس میں جوڑے ہوئے ہے تو اسلام ہی ہے۔ اسلام کے علاوہ ہمارے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہو، ہم ایک نسل سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہمارے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ہماری زبانیں ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں اور اُن کے درمیان بسا اوقات اتنا اختلاف نظر آتا ہے کہ انہیں ایک سانچہ میں ڈھالنا قریب قریب ناممکن ہے، سوائے اسلام کی تاریخی روایات کے ہمارے قومی پس منظر میں بھی کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو ہمارے اندر ایک قوم ہونے کا احساس پیدا کر سکے، پھر جغرافیائی تعلق جسے قومیت کی تشکیل میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے، وہ بھی ہمارے ہاں ناپید ہے۔ ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان ایک ہزار میل سے زیادہ فاصلہ ہے۔ اس فاصلہ کی وجہ سے دونوں خطوں کے باشندوں کے درمیان جو بُعد اور دُوری موجود ہے، اُس سے کوئی ہوشمند انسان ناواقف نہیں۔ ان اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی جو قوت ہمیں ایک دوسرے سے مربوط رکھ رہی ہے وہ اسلام کی محبت ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ اگر ہم نے اس مقناطیسی قوت کو جس نے ہماری قوم کے مختلف بلکہ متضاد عناصر کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے، یونہی "رواداری" کے جنون میں ضائع کر دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ہمارا حشر کیا ہو گا۔

اس سلسلہ میں ہمیں اس حقیقت کو بھی پوری طرح نگاہ میں رکھنا چاہیے اگر ہم فی الواقع پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں اور اس ریاست کو دین کی خادم ریاست بنانے کے متمنی ہیں تو پھر ہمارے لیے یہ چیز اشد ضروری ہے کہ ہم عوام کے دینی اور مذہبی رجحانات کے معاملے میں انتہائی تدبّر اور تفکر کا ثبوت دیں۔ اگر ہم نے اپنی غفلت سے اپنی آئیڈیالوجی کو جو درحقیقت ہمارے لیے رگ جان کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک غیر سنجیدہ سی چیز سمجھ کر اس کے ساتھ کھیل تماشہ کا سا معاملہ شروع کر دیا تو پھر ہمارے ذہنوں میں ایک ایسا خوفناک انتشار پیدا ہو گا جو ہماری نوخیز نسلوں کو بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیگا۔ اُن کے فکری جہاز پھر بالکل بے لنگر ہو جائیں گے اور مفادات کے تھپیڑے انہیں جس طرف چاہیں گے بڑی آسانی کے ساتھ بہا کر لے جائیں گے۔ دنیا کی کوئی قوم جس کے اندر زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا جذبہ موجود ہو وہ اپنی آئیڈیالوجی کے معاملے میں اتنی بے حس اور بے پروا نہیں ہوتی جس کا ہم گزشتہ ۲۱ برس سے عملی طور پر مظاہرہ کر رہے ہیں آئیڈیالوجی کا تعلق صرف دماغ سے نہیں ہوتا بلکہ جذبات و احساسات سے ہوتا ہے اور اگر کوئی قوم احساسات کے اعتبار سے ایک مرتبہ اپنے اصل موقف سے ہٹ جائے تو پھر اُسے واپس لانا جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔

آئیے اب ایک نظر اُن اسباب پر بھی ڈال لیں جن کی وجہ سے عیسائیت کو مغربی استعمار کی گرفت ڈھیلی ہو جانے کے بعد پاکستان میں فروغ ہو رہا ہے۔ یہ حقیقت میں تاریخ کا ایک بڑا المناک سانحہ ہے کہ جو مذہب حکومت کی تائید اور حمایت کے باوجود لوگوں میں بالکل نفوذ نہ کر سکا وہ اب اقتدار کے ہٹنے کے بعد عوام میں اپنی راہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوا ہے اس کی ایک وجہ تو انگریز کی وہ سیاسی پالیسی ہے جس کی طرف ہم نے گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ غیر ملکی حکمران بعض سیاسی مصالح کی بنا پر اس چیز کو خطرناک سمجھتے تھے کہ لوگوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتے۔ وہ جانتے تھے کہ اہلِ ہند کے مذہب کے معاملے میں احساسات نازک ہیں اور اگر لوگوں نے حکمرانوں کے مذہب کو قبول کرنا شروع کر دیا تو اس سے عوام کے اندر نفرت اور بغاوت کے شدید جذبات پیدا ہوں گے جو شاید اُن کی سیاسی ناؤ کو ہی ڈبو ڈالیں۔ اس لیے وہ کھُل کر عیسائیت کی سرپرستی کرنے سے برابر احتراز کرتے رہے۔ لیکن اب جبکہ سیاسی اقتدار بالکل ہٹ چکا ہے تو اُن کی حکومت بالکل کھُل کر مسیحی مبلغین کی حمایت کرتی ہے۔ اہلِ مغرب جانتے ہیں کہ یہ مشنری اپنے مقصد میں جتنے کامیاب ہوں گے اتنا ہی سامراج کو فائدہ حاصل ہو گا اور وہ اس نئی روش کے خطرناک نتائج سے بھی بالکل محفوظ و مامون رہیں گے۔

پھر وہ اس بات سے بھی اچھی طرح واقف ہیں کہ اقتدار کے ہٹ جانے کے بعد بھی اگر پاکستان کو غلام رکھا جا سکتا ہے۔ اور اُس کی اس کمزور حیثیت سے ناجائز فوائد بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں تو اس کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ اُن کے اندر اُس دین کی محبت کو ختم کر دیا جائے جو بار بار انہیں غیر ملکی سامراج کے خلاف صف آرا ہونے پر آمادہ کرتا رہا ہے اور اس کی جگہ اُن کی نگاہ میں اُس مذہب کو پُرکشش بنایا جائے جو انہیں غلامی پر قانع کر دے اور اُن کے دل و دماغ سے علیحدگی کے احساسات کو کھُرچ کھُرچ کر مٹا ڈالے تاکہ وہ آزاد ہو جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو غلام ہی سمجھتے رہیں اور اہلِ یورپ اپنے اوپر استعماریت کا کوئی الزام لیے بغیر وہ سارے مقاصد حل کر سکیں جو سیاسی استیلاء کے زمانے میں کرتے رہے تھے۔ یہ ہے وہ اصل وجہ جس کی بنا پر اہلِ مغرب نے ایک سگے بندھے پلان کے تحت اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا ہے اور مسلح افواج کو ہٹا کر "مکتی فوج" کے ٹڈی دل پاکستان میں اتار دیئے ہیں۔ تاکہ یہ "ہیرو" لوگوں کے ضمیر و ایمان کی بستیاں تاخت و تاراج کریں اور مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جن گوشوں میں انگریز دو سال تک اپنی قوت و طاقت کے باوجود نفوذ نہ کر سکا انہیں یہ مبلغین دودھ کے ڈبوں اور پھٹے پرانے کپڑوں کے ذریعہ مسخر کرنے کی کوشش کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر ملکی سامراج کی عیاریاں اور فتنہ سامانیاں درست سہی لیکن ہم بالکل بددیانت ہونگے اگر ہم اپنی ان کمزوریوں کی نشاندہی نہ کریں جن کی وجہ سے ان مسیحی مبلغین کو اس بات کی ہمت ہوئی ہے کہ وہ ہمیں ایک تر نوالہ سمجھ کر چپانے کے درپے ہیں۔ باہر والوں کی فریب کاریاں ہمارا بالکل کچھ نہ بگاڑ سکتیں اگر داخلی طور پر ہم محتاط اور بیدار مغز ہوتے اور اپنے اندر اُن کمزوریوں کو پرورش پانے کا قطعًا کوئی ایسا موقع نہ دیتے جن سے فائدہ اٹھا کر غیر ملکی سامراج ہمارے درپے آزار ہوا ہے۔

ہماری ان کمزوریوں میں سے بڑی کمزوری ہمارا وہ غلط قسم کا احساس رواداری ہے جو ہمارے اندر روشن خیال کہلانے کے لالچ میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے اقلیتوں کے معاملے میں ہم پر بعض ایسی نازک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن سے عہدہ برا ہونا ہمارا دینی فریضہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اس ملک میں اقلیتوں کو بالکل کھلی چھٹی دے دیں کہ وہ جو چاہیں کرتی رہیں اور کوئی اُن سے بازپرس کرنے والا نہ ہو۔ اسلام نے جہاں ہم سے اقلیتوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے وہاں اُس نے اُن کی سرگرمیوں کی بھی کچھ حدود و قیود مقرر کی ہیں۔ ہم نے محض اس خوف سے کہ کہیں ہم پر متعصب ہونے کا الزام نہ چپک جاتے اُن لوگوں کو بعض ایسی مراعات دے رکھی ہیں جو نہ تو اسلامی نقطۂ نظر سے پسندیدہ ہیں اور نہ ہی دنیا کا کوئی دستور انہیں مبنی بر انصاف سمجھتا ہے۔ اس بنا پر ہمارا پہلا فرض ہے کہ ہم اقلیتوں کے جان، مال، عزت و آبرو اور اُن کے پرسنل لاکی تو پوری مستعدی کے ساتھ حفاظت اور پاسبانی کریں لیکن انہیں اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ لوگوں کو دنیاوی مال و متاع کا لالچ دے کر اسلام سے برگشتہ کرتے رہیں۔

ہماری دوسری کمزوری وہ غلامانہ نقطۂ نظر ہے جو ہم نے مغربی تہذیب کے متعلق قائم کر رکھا ہے۔ اس ملک کو ہم نے اسلام کے نام پر لیا تھا اس لیے یہاں کے عوام بجا طور پر اس بات کی توقع رکھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے کہ غیر ملکی سامراج کے ہٹنے کے بعد یہاں اسلامی اقدارِ حیات کو فروغ ہوگا، یہاں اُن بھلائیوں کی نشر و اشاعت کی جاتے گی جو اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور اُن برائیوں کا قلع قمع ہوگا جنہیں اسلام دنیا سے مٹانا چاہتا ہے۔ لوگوں کے قلب و نگاہ کے زاویے بدلیں گے اور اُن کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام پیدا ہوگا۔ اس طرح یہ ملک بہت جلد ہی اسلامی تہذیب و تمدّن کا گہوارہ بنے گا لیکن " اَے بسا آرزو کہ خاک شدہ " ۔ اس مایوسی نے لوگوں کے اندر احساسِ شکست پیدا کر دیا ہے۔ ہماری نوخیز نسلیں اب اسی انداز پر سوچنے لگی ہیں کہ مغربی تہذیب و تمدن بہرحال ہماری اپنی تہذیب سے بہتر ہے اسی لیے ہمارے اربابِ بست و کشاد ملک کی فلاح کے پیشِ نظر اس غیر ملکی تمدّن کو اپنانے پر مُصر ہیں۔ چونکہ ہم نے تہذیبی اعتبار سے یورپ کی غلامی کا جُوا اپنے کندھوں سے نہیں پھینکا بلکہ اسے ایک بیش قیمت ورثہ سمجھ کر سینے سے لگائے ہوتے ہیں۔ اس لیے مغربی اقدارِ حیات کی عزت بھی ہماری نگاہوں میں مسلسل بڑھتی جارہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم مغرب کی پیروی میں دین کو اپنی زندگی میں از خود ایک ضمیمے کی حیثیت سے شامل کرنے لگے ہیں اور جو چیز ایک انسان کے لیے مبدأ حیات نہ ہو بلکہ محض ایک زائد سی چیز ہو اُس کی تبدیلی اُس پر قطعاً شاق نہیں گزرتی۔

اس کے علاوہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو جس سرعت کے ساتھ مغربی سانچوں میں ڈھالا جارہا ہے اُس میں ایک ایسے دین کا اپنانا قریب قریب ناممکن سا ہوگیا ہے جو زندگی کے ہر پہلو کے لیے ایک واضح ہدایت پیش کرتا ہو۔ اس روش سے لوگوں کے دل و دماغ میں ایک ایسی کشمکش پرورش پارہی ہے جس نے اُن کے سارے فکری اور عملی قویٰ کو مضمحل کر دیا ہے۔

پاکستان کی عظیم اکثریت اس دنیا اور آخرت کے بارے میں ایک خاص نقطۂ نظر رکھتی ہے اور یہ نقطۂ نظر اُس کی ساری زندگی پر حاوی ہے لیکن وہ اپنے اردگرد ایک ایسا ماحول پارہی ہے جو اُس کے اس بنیادی نقطۂ نظر کی ہر قدم پر مزاحمت کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے چند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مجنون" تو کچھ دیر اس ماحول کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنے اس بنیادی نقطۂ نظر کے تقاضوں کے مطابق وقت بسر کرنے کی سعی کرتے ہیں لیکن جو لوگ اس کشمکش کے لیے اپنے اندر ہمت نہیں پاتے وہ جلد ہی ایک ایسے مذہب کی تلاش شروع کر دیتے ہیں جو ان کے ضمیر اور ماحول کے درمیان مصالحت کرا دے۔ ان میں سے کچھ افراد اسلام کے اندر بعض بنیادی تبدیلیاں کر کے اس مقصد کو حاصل کر لیتے ہیں اور جو ذرا مغرب پر زیادہ فریفتہ ہیں وہ اُس دین کو سرے سے خیر باد کہتے ہیں جس نے اُن کے اندر اس ذہنی کشمکش کو پیدا کر کے اُن کے "ترقی کے" راستوں کو مسدود کر رکھا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اہلِ مغرب کو ہمیں عیسائی بنانے سے اتنی دلچسپی نہیں جتنی کہ ہمیں "مہذب" بنانے سے ہے کیونکہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اس قوم کو "مہذب" بنا کر وہ اپنا خدمتا اُلو سیدھا کر سکتے ہیں وہ عیسائی بنا کر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ امریکہ کے ایک نامور پادری اور وہاں کی ایک مشہور یونیورسٹی کے رئیس نے بڑے واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کیا:

> "ممکن ہے ہمارے مبلّغین مسلمانوں کی معتد بہ تعداد کو نصرانی بنانے میں تو کامیاب نہ ہو سکے ہوں لیکن انہوں نے ایک عظیم اکثریت کو مہذب ضرور بنا دیا ہے اور اب اُن کے اندر ترقی پسندی کے رجحانات بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہے ہیں[۱]"

اسی طرح ایک دوسری تصنیف میں جس میں مسیحی مبلّغین کی ناکامیوں کا جائزہ لیکر انہیں از سرِ نو اپنے دستے مرتب کرنے کی تلقین کی گئی ہے اُس میں نہایت زوردار الفاظ میں انہیں اس بات کا مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر مسلمان نصرانیت قبول نہیں کرتے تو کوئی پروا نہیں تم اپنا کام جاری رکھو اور اُن کے دلوں میں اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرتے رہو اگر تم اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو یہ تمہاری عظیم فتح ہو گی۔ تم ان لوگوں کو عیسائی بنائے بغیر ان سے عیسائیت کی ایسی خدمت لے سکو گے جو شاید خود عیسائی بھی اپنے مذہب کے لیے نہ

© rasailojaraid.com

[۱] بحوالہ التبشیر والاستعمار ص۱۱۳

© rasailojaraid.com

کر سکیں۔ اور اس غرض کے لیے اگر تمہیں مسیحی اصولوں کے اندر کچھ لچک بھی پیدا کرنی پڑے تو بلا تکلف پیدا کر دو۔[1]

مغربی تہذیب و تمدن کے علاوہ اس ملک میں نصرانیت کو فروغ دینے والی چیز یہاں کا نظامِ تعلیم ہے۔ آزادی سے پہلے جو لوگ اپنے بچوں کو انگریزی مدارس میں بھیجا کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ وہ انہیں کس آگ میں جھونک رہے ہیں۔ اس لیے وہ اس کے بُرے نتائج کے تدارک کی بھی برابر فکر کرتے۔ بچے بھی اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہوتے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں جبر و اکراہ سے کر رہے ہیں اس لیے اُن کے دلوں کے اندر انگریز کے لاتے ہوئے افکار و نظریات سے کوئی محبت نہ پیدا ہوتی تھی بلکہ وہ بسا اوقات ان سے شدید نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتے۔

مگر اب جب کہ ملک آزاد ہو گیا ہے تو اُس بوسیدہ نظامِ تعلیم کے بقا اور اس کے استحکام کے یہ معنی ہیں کہ ہم فی الواقع ان نظریات و افکار کو ہی صحیح سمجھتے ہیں اس لیے انہیں اپنے ملک میں اپنی دولت اور قوت کے صرف کے ساتھ فروغ دے رہے ہیں۔ ہماری یہ روش ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں میں مغرب کے متعلق ایک ذہنی مرعوبیت پیدا کر رہی ہے جس سے مسیحیت کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔

پھر اس نظامِ تعلیم کے مختلف شعبوں کے درمیان اتنا تضاد ہے کہ اس سے جو نوجوان فارغ ہو کر نکلتے ہیں اُن کے اندر فکری اعتبار سے اتنا انتشار ہوتا ہے کہ وہ کسی کلچر کی خدمت نہیں کر سکتے۔ مغربی افکار و نظریات کے ساتھ اسلامیات کا نہایت ہی بھونڈا پیوند بچّوں کے ذہنوں کو سوچنے اور سمجھنے کی ساری صلاحیتوں سے محروم کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جس طرح تلاشِ معاش کے لیے در در کے دھکے کھاتے پھرتے ہیں بالکل اسی طرح نظری اعتبار سے مختلف کوچوں کی خاک چھانتے رہتے ہیں۔ صبح اگر وہ اشتراکیت کے حامی ہیں تو شام کو وہ

[1] بحوالہ التبشیر والاستعمار صفحہ ۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ داری کے حق میں رطب اللسان ہونگے۔ ایک مسئلہ میں اگر اسلام اُن کے لیے پُرکشش ہے تو دوسرے بلشمار مسائل میں وہ مغرب کے مقلدین ہیں۔ اُن حضرات کی ساری عمر مختلف بلکہ متضاد افکار و نظریات کا ملغوبہ تیار کرنے میں گزر جاتی ہے اور وہ قوم اور ملت کے کسی کام نہیں آسکتے۔ اس صورتِ حال سے بھی براہِ راست فائدہ عیسائیت کو ہی پہنچا ہے۔

ان درس گاہوں میں شاید ملت کے لیے سب سے زیادہ خطرناک وہ درسگاہیں ہیں جنہیں کانونٹ سکول یا یورپین ٹائپ سکول کہا جاتا ہے۔ انہیں تعلیمی ادارے کہنا ہی تعلیم کی توہین ہے، یہ فی الحقیقت اس ملک میں عیسائیت کے اڈے ہیں جہاں مسیحی مبلغین کو سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ان سکولوں کا پورا ماحول مغربی ہوتا ہے فکر و نظر سے لے کر لباس۔ آداب و اطوار میں سے کوئی چیز بھی ایسی نظر نہیں آتی جس پر مغربی تہذیب و تمدن کی گہری چھاپ نہ ہو۔ اس لیے جو بچے ان تسل گاہوں سے نکلتے ہیں وہ سوائے رنگ اور نسل کے ہر لحاظ سے انگریز ہوتے ہیں۔ اُن کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز، ان کے گفتگو کرنے کا طریقہ اُن کی زبان، اُن کی نشست و برخاست، ان کا معیارِ خیر و شر، اُن کی اخلاقی اقدار اور اُن کے مشاغل الغرض ان کی زندگی کا کوئی شعبہ اور اُن کے قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں ہوتا جن سے وہ پورے فرنگی معلوم نہ ہوتے ہوں۔ ایک ملک کے لیے اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن نوخیز نسلوں سے قوم یہ امیدیں وابستہ رکھے کہ وہ کل بڑی ہو کر اپنے دین و ملت کی خدمت کریں گی انہیں غیر ملکی سامراج کی گود میں خود ڈال دیا جائے تاکہ وہ حسبِ منشا ان کے دلوں سے اسلام کے ہر احساس کو مٹا دے اور اُن کی جگہ اُن کے قلب و دماغ میں مغرب کی خدا فنت اور برتری کا نقش ثبت کر دے اور پھر یہ قوم اتنی احمق ہو کہ اس "روحانی ارتداد" اور "ذہنی شبخون" کے لیے زیادہ سے زیادہ معاوضہ ادا کرنے پر راضی ہو جائے بلکہ اس "خدمتِ جلیلہ" کو وہ اپنی بہت بڑی سعادت خیال کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے اس ملک کے اندر جس قسم کے معاشرتی نظام کو ڈھالا جا رہا ہے، اُس کا لازمی تقاضا ہے کہ لوگ اب اپنے ذہین بچوں کو ان عیسائی مشنریوں کے سکولوں میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھیج کر انہیں لامذہب بنائیں۔ یہاں سول سروس کے اندر انہیں لوگوں کی زیادہ پذیرائی ہوتی ہے جو انگریزی لہجہ میں گفتگو کرنے کے علاوہ آداب، طرزِ رہائش اور مشاغل میں سو فی صد انگریز ہوں۔ وہ اپنی قوم کے احساسات اور جذبات کے معاملے میں جتنا زیادہ فرنگیانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کریں گے اتنا ہی اُن پر ترقی کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ اس صورتِ حال کا فطری نتیجہ یہی ہے کہ جو لوگ بھی اپنے بچوں کو اعلیٰ ملازمتوں کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں وہ انہیں اُن درسگاہوں کے حوالے کرتے ہیں۔ یہاں ان مطلوبہ صفات کو ترقی دینے اور پرورش کرنے کے زیادہ سے زیادہ بہتر انتظامات ہیں۔ اس بنا پر بھی ان عیسائی مشنریوں کو قوم کے ذہین بچوں میں کام کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو رہے ہیں اور یہ لوگ ان سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں بلکہ انہیں ملک و ملت سے بھی کافی حد تک بیگانہ کر دیا ہے۔

مسیحیت کو جس راستے سے امتِ مسلمہ کے اندر غالباً سب سے زیادہ بہتر طریق سے نفوذ کا موقع ملا ہے وہ زبان کا راستہ ہے۔ میکالے نے آغاز ہی سے اس راہ کی آسانیوں کا پوری طرح اندازہ کر لیا تھا وہ جانتا تھا کہ یہ وہ راستہ ہے جس سے لوگوں کو کسی دقت کے بغیر مغربی تہذیب اور اُس کے مذہب کا پرستار بنایا جا سکتا ہے اور لوگوں کے اندر اپنی اس ذہنی تبدیلی کا کبھی احساس بھی پیدا نہ ہونے پائے گا۔ کسی قوم کی زبان محض اس کے افراد کے درمیان اظہارِ خیال کا ذریعہ ہی نہیں ہوتی بلکہ اُس کی وساطت سے افراد کے ذہنی پس منظر تیار ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنی روایات کے ساتھ گوناگوں محبت پیدا ہوتی ہے۔ انگریزی بے جان الفاظ کا ہی مجموعہ نہیں بلکہ اس کے استعاروں اور اس کی تشبیہات میں انگریزی قوم کی پوری تاریخ اور روایات لپٹی پڑی ہیں۔ اس کی شاعری میں اس قوم کے مابعد الطبیعی عقاید سموئے ہوئے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ اس زبان کا اس کے پس منظر علائق سے الگ کر کے مطالعہ نہیں کر سکتے۔ جب بھی ہم نوخیز نسلوں کو اس زبان کے ذریعہ تعلیم دیں گے تو ان کے ذہنی پس منظر میں وہی چیزیں منقش ہوں گی جو اس زبان سے وابستہ ہیں۔ اسی زبان کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے انگریزی کے ایک نہایت ہی فاضل استاد نے ارشاد فرمایا ہے۔

"جس زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اس کے بعض پس منظر علائق ہوتے ہیں جو خود بخود تعلیم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ موضوع خواہ کچھ بھی ہو، ارضیات ہو یا جغرافیہ، نفسیات ہو یا فلسفہ، معاشیات ہو یا تاریخ، اگر ذریعۂ بیان انگریزی ہے تو جو روایات انگریزی زبان کی ہیں پس منظر میں وہ آپ سے آپ شامل ہو جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ذہنیتیں نیم انگریز یا کم از کم ۵ فیصد انگریز تو ضرور ہوتی جا رہی ہیں۔ انگریزی کا ذریعۂ تعلیم ہونا ہمارے مسلمان بننے میں حارج ہو رہا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ چند برس پہلے کیمبرج یونیورسٹی میں وہاں کے انگریزی کے سب سے بڑے پروفیسر نے کہا کہ کوئی شخص جو عیسائی نہیں ہے وہ انگریزی شاعری کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ انگریزی زبان کا پس منظر کچھ تو وہ ہے جسے PAGAN کہتے ہیں یعنی کافرانہ"۔ ان معنوں میں کہ یونان اور روما شمالی سکنڈے نیویا کی روایات پر اس زبان کی بنیاد ہے اور اس نے انہیں زندہ کر رکھا ہے، انگریزی زبان کی دوسری بنیاد جس میں (مذہبی) روایات ہیں اور تیسری بنیاد جدید سائنٹفک روایات۔ نشاۃ ثانیہ کے وقت سے لیکر آج تک یہی تینوں روایتیں انگریزی زبان کی تشکیل و ترویج کی ذمہ دار ہیں جب ہم انگریزی پڑھتے ہیں تو غیر محسوس طور پر یہ تینوں روایتیں ہمارے ذہن کو متاثر کرتی ہیں ہماری ذہنیت کو خاص سانچوں میں ڈھالتی ہیں۔ میرے نزدیک یہ ضروری ہے کہ ہمارا ذہنی پس منظر فارسی، عربی اور اردو کی روشنی میں ڈھلے خواہ ہم طبقات الارض پڑھیں خواہ جغرافیہ، چاہے تاریخ انگلستان۔ ان علوم کا اردو میں ہونا ہی ہمیں اسلامی روایات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قریب لائے گا۔[1]

یہ الفاظ کسی کٹھ ملّا کے نہیں جنہیں محض "رجعت پسندی" کہکر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اُس فاضل استاد کے ہیں جو برسوں کیمبرج یونیورسٹی میں رہا اور جو قریب قریب ربع صدی سے اس ملک میں انگریزی زبان اور ادب کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اس بات کا بڑی آسانی کے ساتھ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام سے دُور کرنے اور مسیحیت سے قریب کرنے میں انگریزی زبان کو کتنا دخل حاصل ہے۔

یہ تو ہیں مختصر طور پر وہ بالواسطہ اسباب جن کی بنا پر پاکستان میں نصرانیت کو ترقی کرنے کا موقع ملا ہے مگر ان اسباب کے ساتھ ساتھ کچھ بلا واسطہ وجوہ بھی شامل ہیں جن کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ان اسباب میں سے سب سے پہلا سبب اہلِ پاکستان کی غربت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے معرض وجود میں آجانے کے بعد کچھ لوگوں پر ہُن برسا ہے اور وہ آن کی آن میں انتہائی دولتمند ہو گئے ہیں مگر یہ چیز بھی امر واقعہ ہے کہ یہاں کی عظیم اکثریت لاتعداد معاشی الجھنوں میں گرفتار ہے۔ غریب طبقوں کے لیے اپنے بچوں کو حسبِ منشا تعلیم دلوانا قریب قریب ناممکن سا ہو گیا ہے۔ اس لیے بعض وہ نوجوان جو اپنی ترقی کی ساری راہیں مسدود پاتے ہیں اور اُن کے اندر دین اور ایمان کی قدر بھی خارجی ماحول کی نامناسبت کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے وہ اعلیٰ تعلیم اور بہتر ملازمت کے لالچ میں اسلام کو ہی خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ ان مشنریوں کی درسگاہوں میں مسلمان طلبا کے ساتھ ایک ناروا امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ عیسائی طلبا کو ہر قسم کی مراعات حاصل ہوتی ہیں اور ان کے مقابلے میں مسلمان طلبہ سے بہت زیادہ رقم فیسوں اور جرمانوں کی شکل میں وصول کی جاتی ہے

---

[1] چراغ راہ، نظریۂ پاکستان نمبر از جناب پروفیسر حمید احمد خان صفحہ ۲۲۶-۲۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قریب قریب یہی حال مشن ہسپتالوں کا بھی ہے۔ عیسائی مریضوں سے ایک پیسہ لیے بغیر انہیں بہتر سے بہتر طبی امداد پہنچائی جاتی ہے اور اُن کے مقابلے میں جو مسلمان ان ہسپتالوں کا رُخ کرتے ہیں اُن سے اس خدمتِ خلق کا اتنا بھاری معاوضہ وصول کیا جاتا ہے جس کی عام جیبیں متحمل نہیں ہو سکتیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان اداروں میں عیسائی اور مسلمان کے درمیان یہ امتیازی سلوک اُن لوگوں کے لیے جو نہ تو اسلام کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور نہ ہی اُس کی محبت اُن کے دلوں میں پوری طرح جاگزیں ہوتی ہے، ایک کڑی آزمائش اور ایک مستقل فتنہ بن گیا ہے جو انہیں کسی وقت بھی راہِ راست سے ہٹا سکتا ہے۔

پھر "ولایت پلٹ" اور "امریکہ پلٹ" لوگوں کو پاکستان میں ملازمت کی جو سہولتیں حاصل ہیں انہوں نے بھی عیسائیت کے فروغ میں کافی مدد دی ہے۔ "وہ من چلے" جو اگرچہ رہتے تو اس ملک میں ہیں، اسی ملک کا نمک کھاتے ہیں، اسی کی مال و دولت سے مستفید ہوتے ہیں مگر جن کا دل ہمیشہ مغرب میں اٹکا رہتا ہے۔ وہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ حکومت انہیں باہر بھیجنے اور وہاں تعلیم دلوانے میں اُن کی کوئی مدد نہیں کر سکتی اور خود اُن کے اپنے وسائل اس "مہم" کے لیے ناکافی ہیں تو وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر عیسائی اداروں کی طرف لپک پڑتے ہیں جو انہیں فوراً اپنی آغوش میں لیکر ان کی دلی تمناؤں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ صاحب بہادر صرف غیر ملکی سیاحت اور "روشن مستقبل" کے فریب میں آکر ایمان جیسی متاعِ عزیز کو داؤں پر لگا دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ "فادر" کو حکام عالی مقام کے ہاں جو عزت و توقیر حاصل ہوتی ہے اس کا بھی عیسائیت کے پھیلنے میں بڑا دخل ہے۔ مسلمانوں کا مذہبی رہنما بیچارا آج بھی حکام کے نزدیک اتنا ہی مغضوب اور قابلِ نفرت ہے جتنا کہ انگریزی عہد میں تھا۔ انگریز کو اس سے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر خاش تھی اس کی وجوہ تو سمجھ میں آسکتی ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہی وہ ذات ہے جو اس کے ناپاک عزائم کے لیے ڈائنامیٹ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے وہ اس سے جو ناروا سلوک کر رہا تھا وہ اس کے استعماری مقاصد کے عین مطابق تھا لیکن انگریز کے رخصت ہو جانے کے بعد اس بیچارے کے نصیب آج تک نہیں جاگے۔ مسیحی پادری جب چاہے بلا روک ٹوک عیسائیوں کی شکایت کا ازالہ کرنے کے لیے بڑے سے بڑے حاکم سے بلا تکلف ملاقات کر کے اصلاح حال کے لیے تقاضا کر سکتا ہے۔ اُس کی تکلیفات اور شکایات کو حکومت کے ایوانوں میں پوری توجہ سے سنا جاتا ہے اور انہیں دور کرنے کے لیے بھی تگ و دو ہوتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا مذہبی رہنما آج بھی حکومت کے نزدیک "ناپسندیدہ عنصر" ہے جس کی حکومت کی نظر میں کوئی عزت و توقیر نہیں۔ اُس بیچارے کی کہیں کوئی شنوائی نہیں ہوتی وہ اپنے بھائی بندوں کی تکلیفات سے اربابِ بست و کشاد کو آگاہ کرنے سے قاصر ہے اُس کی بات پر توجہ کرنے کی بجائے اُسے اکثر ہدفِ استہزاء بنایا جاتا ہے اس بنا پر وہ مسلم معاشرے کی کوئی ایسی خدمت سرانجام نہیں دے سکتا جس سے وہ لوگوں کے دل موہنے میں کامیاب ہو سکے۔ اُسے اپنے گھر کے اندر ہی بے اثر اور اجنبی بنا کر رکھ دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ دیہاتوں میں جب کبھی لوگوں کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ اس کے ازالہ کے لیے "فادر" کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور "فادر" اپنی اس خدمت کے عوض اُن سے اُن کے ضمیر اور ایمان خریدنے کی کوشش کرتا ہے اور بہت سے موقعوں پر کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com